صاحبزادہ خورشید احمد

امام خمینیؒ کا نظریہ سیاست و ریاست

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی صاحب طرز ادیب ' شیرین بیان سخنور ' دانشور ' محقق اور انقلابی فکر کے حامل اہل قلم ہیں۔ متعدد موضوعات پر انہوں نے قلم اٹھایا اور اب تک ٦ سے زیادہ مفید کتب تالیف کر چکے ہیں۔ ان کے سینکڑوں مضامین اخبارات کی زینت بن چکے ہیں ' لاہور سے ایک پرچہ "تسخیر" بھی نکالتے رہے ہیں' آپ نے " تحریک احیائے امت" کی داغ بیل ڈالی ۔ پاکستان میں دینی فکر کے احیاء میں بھی آپ کا حصہ ہے۔ زیر نظر مضمون انہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔

فروری ۱۹۷۹ء میں سرزمین ایران پر رونما ہونے والا اسلامی انقلاب دو دہائی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی علاقائی اور بین الاقوامی توجہات، تجزیوں، دلچسپیوں اور خبروں کا تازہ اور گرم موضوع ہے اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ انقلاب کوئی عارضی نوعیت کا اور محض انتظامی کیفیت کا حامل نہیں تھا بلکہ یہ نظریاتی انقلاب تھا جس کے اثرات گرد و پیش اور بین الاقوامی رجحانات پر پڑے، تبھی تو آئے دن اس کی صدائے بازگشت مختلف حلقوں اور کونوں میں سنائی دیتی ہے۔

انقلاب ایران ایک نیا نظریاتی، سیاسی اور سماجی تجربہ ہے، جو نئے زاویوں اور جہتوں پر زیر بحث رہتا ہے۔ ایران کی قدیم اور مضبوط ترین بادشاہت کا قلع قمع، امریکہ کے انتہائی محفوظ اور موثر اڈے اور مرکز کا خاتمہ کوئی معمولی بات نہیں، اور ملوکیت زدہ ملک میں اسلامیت اور جمہوریت کا فروغ یقیناً بہت بڑا کارنامہ اور واقعہ ہے، ایران کے پورے سیاسی و سماجی منظر کو بدل دینا بہت اہم پیش رفت ہے۔

یہ انقلاب بلاشبہ امام خمینیؒ کی نظریاتی وابستگی، سیاسی و فکری پختگی اور عملی بصیرت کا نتیجہ اور شاہکار ہے، یوں تو آئے دن دنیا کے کسی نہ کسی خطے اور ملک میں اکھاڑ پچھاڑ ہوتی رہتی ہے اور حکومتیں

بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں مگر یہ ردوبدل صرف اوپری اور انتظامی سطح کا ہوتا ہے، دور رس اور دیرپا اثرات سے خالی اور عاری ردوبدل نہ موضوع بحث بنتی ہے اور نہ نئے رجحانات پیدا کرنے کا موجب۔

نظریہ اور شخصیت لازم وملزوم کا درجہ رکھتے ہیں، نظریہ توانا ہو مگر اس کی حامل شخصیت غیر علمی اور کمزور ہو تو کبھی قالب عمل میں نہیں ڈھلتا اور اگر شخصیت بڑی زوردار اور پرکشش ہو مگر اس کے پاس کوئی ویژن، کوئی آئیڈیا، ذہنی یکسوئی اور فکری مواد نہ ہو تو ایسی شخصیت وقت کے دھارے کی نذر، زمانے کی رفتار سے پامال اور کسی نئی طوفانی شخصیت میں گم ہو جاتی ہے، لیکن کسی جگہ تر و تازہ فکر اور توانا شخصیت جمع ہو جائیں تو نقطہ انقلاب بن جاتی ہیں، یوں سیاست کا مزاج اور ریاست کا ڈھانچہ دونوں مثبت اور ٹھوس تبدیلی سے آشنا ہوتے ہیں، ایران میں یہی کچھ ہوا، امام خمینیؒ کے نظریہ سیاست وریاست کے تین بنیادی ستون ہیں، انہی پر انقلاب کی عمارت استوار ہے۔

پہلا ستون اسلام ہے، دوسرا شورائیت اور تیسرا استعمار سے بیزاری ہے، باقی تمام تر اصلاحات اور تغیرات اس کے لواحق ولوازم ہیں، جوہری حیثیت ان تین باتوں کو حاصل ہے، انقلاب سے پہلے ایران جاہلی نظریے پر قائم تھا یعنی شخصی وفردی حکومت اور نسلی وخاندانی وجاہت اور اس دور کی حکومت نے اپنا تاریخی رشتہ سائرس اعظم سے جوڑ رکھا تھا، دوسرے نمبر پر اس کا سارا انحصار طاقت پر تھا عوام کی اقتدار میں شرکت اور مشاورت پر نہیں اور تیسرے شاہ کی حکومت اپنے کسی نظریاتی اثبات، داخلی استحکام اور اخلاقی جواز پر نہیں بلکہ عالمی استعمار کی تائید وحمایت پر کھڑی تھی، اور اس کا کردار ایک خود مختار ریاست کا نہیں بلکہ امریکہ کی باجگذار، حاشیہ نشین، اور اس کے عالمی وعلاقائی تھانیدار اور مفادات کے نگہبان کا کردار تھا۔

امام خمینیؒ نے ان تینوں بنیادوں پر ضرب ماری اور انہیں کھدیڑ ڈالا، اس شاہی کھنڈر پر جو انقلابی عمارت کھڑی ہوئی، اس میں جاہلی تعصب کی جگہ اسلامی حمیت، طاقت اور خاندانی حکومت کے بجائے عوام سے مشاورت اور امریکہ کی حاشیہ نشینی چھوڑ کر خود مختاری اور غیرت کو بنیاد کی حیثیت دی، امام خمینیؒ نے اسلام کو مذہب ثواب کے بجائے اسے دین انقلاب کے طور پر عوام وخواص کے ذہنوں میں راسخ کیا، ایسا دین جو عبادات کے ساتھ ساتھ سیاسیات کو بھی پوری اہمیت دیتا اور تشکیل ریاست کے

لیے نظریاتی واصولی قوت فراہم کرتا ہے، یہ فکری جہاد کوئی معمولی جہاد نہیں، پورے مغرب اور امریکہ میں مذہب اپنے آپ کو زندگی اور زندہ مسائل سے الگ تھلگ رکھنے اور اپنی ضمنی اور کمتر حیثیت کو تسلیم کرنے اور محض شخصی رسوم وعبادات پر قانع ہونے پر آمادہ ہو چکا ہے اور اسلامی دنیا میں بھی انہی نظریات کو فروغ حاصل ہے یا پھر مختلف حکومتیں ریاستی جبر کے ذریعے دین اسلام کو یہی حیثیت دینے پر مصر ہیں، امام خمینیؒ اسلام کو مسجد و مکتب اور مدرسہ و خانقاہ سے نکال کر سیاست و ریاست کے ایوانوں تک لے آئے، لیکن اس طرح کہ اسلام کا اخلاقی و روحانی کام بھی متاثر نہ ہو اور اس کا تمدنی اور سیاسی کردار بھی بھرپور رہے، یہ بھی ایک طرح سے پل صراط پر چلنے والی بات ہے، تاہم لیڈر اگر متوازن فکر رکھنے والا، حاضر دماغ، اپنے نصب العین میں واضح اور تمدنی ضروریات سے پوری طرح آگاہ ہو تو وہ یہ پل بڑی سلامتی اور احتیاط کے ساتھ عبور کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتا ہے، جو رہنما نگاہ بلند اور جان پر سوز رکھتا ہو وہ کبھی افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتا بلکہ ہر وادی پر خار سے بڑے تحمل اور وقار سے گزرتا اور طے شدہ منزل پر پہنچتا ہے۔

امام خمینی نے اسلام کے حوالے سے شرق و غرب کے سامنے کسی معذرت، کسی کمزوری اور کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ پورے یقین واعتماد کے ساتھ اسلام کے سیاسی رول کو اجاگر کیا۔ جب بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے کہا گیا کہ اسلامی حکومت تو امام مہدیؑ آخر الزماں قائم کریں گے تو انہوں نے کہا اگر دو رکعت نماز کے لیے امام کا ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کی اجتماعیت برقرار رہے تو اسلامی ریاست کے قیام کو کیسے ملتوی رکھا جاسکتا ہے؟ دو رکعت کی امامت سے زیادہ اسلامی ریاست کو امام کی ضرورت ہے، جب شاہ کی طرف سے جنرل پاک رواں (ڈائیریکٹر ساواک) نے آکر کہا کہ رضا شاہ بھی شیعہ ہے آپ اس کے خلاف کیوں ہیں؟ آپ اس سے تعاون کریں تو امام خمینیؒ نے کہا کوئی سنی ہو یا شیعہ اسے بادشاہ بننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ بادشاہت اسلامی روح کے منافی نظام حکومت ہے۔ رہ گیا شاہ شیعہ کا ہونا تو میں مرجع تقلید ہوں مجھے شاہ کی نہیں بلکہ شاہ کو میری تقلید کرنے کی ضرورت ہے۔ جنرل پاک رواں نے کہا کہ سیاست تو نجس ہے اور آپ ایک مقدس شخصیت ہیں آپ کو اس گندگی میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ امام نے جواب دیا:

"اگر کوئی کسی کے گھر میں گندگی ڈال دے تو گھر والوں کو گھر نہیں چھوڑنا بلکہ گندگی صاف کرنا چاہئے اور میں یہی کام کر رہا ہوں"

جب امریکہ کی طرف سے پیغام بھجوایا گیا کہ:

" آپ شیعہ ہیں جب کہ باقی عالم اسلام سنی ہے وہ آپ کی قیادت اور حکومت کو تسلیم نہیں کرے گا"

تو انھوں نے کہا:

"یہ شیعہ سنی" کا جھگڑا استعماری اور طاغوتی قوتوں کا کھڑا کیا ہوا ہے اگر کوئی اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو فرقہ واریت نہیں بلکہ وحدت امت پیدا ہو گی اور عالم اسلام کے مسائل اسلام کی رہنمائی میں طے ہوں گے۔"

جب انقلاب کامیابی کے ساتھ برپا ہو گیا تو امام خمینیؒ نے فوراً عوام سے رجوع کیا اس لیے کہ وہ شورائیت کی سیاست اور شورائی نظم حکومت کے قائل ہی نہیں بلکہ علمبردار تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ملک میں ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا کہ ملک میں سیکولر جمہوری نظام ہو یا اسلامی جمہوری؟ اٹھانوے فیصد آراء اسلامی جمہوری نظام کے حق میں آئیں، یوں ایران ملوکیت سے نکل کر جمہوری اسلامی ایران قرار پایا، اس کے بعد امن ہو یا حالت جنگ صدارتی اور مجلسی انتخابات شیڈول کے مطابق ہوئے حالانکہ عراق اور ایران کے مابین طویل جنگ رہی، ملک میں بم پھٹتے رہے، پارلیمنٹ اڑا دی گئی، ایک وقت میں صدر اور وزیر اعظم (محمد علی رجائی اور جواد باہنر) بم دھماکے میں اڑ گئے مگر انتخابات یعنی عوام سے رائے لینے کا عمل کبھی بھی معطل نہیں ہوا ورنہ انقلابی اور ہنگامی صورتحال اس شورائی عمل کو ملتوی کرنے کے لیے بڑا مضبوط جواز اور بہانہ تھی، مگر امام خمینی نے ہر لمحے عوام کے مشورے کو ترجیح دی اور رائے عامہ پر اپنے غیر متزلزل اعتماد کا اظہار کیا، وہ محض نعروں کی حد تک عوام کو طاقت کا سرچشمہ نہیں بلکہ عملاً اس امر کے قائل تھے کہ رائے اور اجتماعی ضمیر کبھی غلطی پر نہیں ہوتا، الیکشن ہر دور میں شفاف، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ ہوئے، بعض اوقات صدر جمہوریہ اور سوچ کے منتخب ہوئے اور پارلیمنٹ دوسری سوچ کی سازش کر کے اپنی مرضی کے آدمی سامنے نہیں لائے گئے بلکہ جو عوامی

رائے کے ذریعے لوگ سامنے آئے انہیں بے چوں وچرا قبول کر لیا گیا۔ یہی روح شورائیت اور رائے عامہ کی حرمت ہے، جسے ہر دور میں ملحوظ رکھا گیا، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام خمینیؒ نے صحیح سپرٹ کے ساتھ جمہوری نظام قائم کیا ورنہ جو انہیں عوام میں احترام، اعتماد اور تقدس حاصل تھا، وہ چاہتے تو اپنے عزیزوں اور اپنی اولاد کے لیے مناصب مختص کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ہر ایسی خواہش اور تجویز کی حوصلہ شکنی کی، تاکہ انقلاب سے عوام بد ظن اور رائے عامہ کی حیثیت مجروح نہ ہو۔ ایک زمانہ میں امام کے صاحبزادے احمد خمینی کو وزیر اعظم بنائے جانے کی تجویز آئی۔ پارلیمنٹ اور صدر نے بھی منظوری دے دی مگر انہوں نے اسے بطور ولی فقیہ ویٹو کر دیا اور فرمایا کہ میری زندگی میں میرا کوئی بیٹا اور کوئی عزیز کسی سرکاری منصب پر فائز نہیں ہوگا، ورنہ اقرباء پروری تو پوری دنیا میں ایک سیاسی دھکومتی کلچر بن چکا ہے۔

امام خمینیؒ کے نظریہ سیاست وریاست کا تیسرا اہم ستون استعمار شکنی، استعمار دشمنی اور استعمار بیزاری ہے، جس دور میں ایران انقلاب سے ہمکنار ہوا وہ دور۔ دو قطبی دنیا۔ کا دور تھا یعنی دو سپر پاور، ایک امریکہ اور دوسرا روس، اس دوران دنیا میں جو بھی تبدیلی آئی تو اس کا رجحان یا امریکہ کی طرف تھا یا روس کی طرف، اور انقلابی تحریکیں اور انقلابی لوگ وہی سمجھے جاتے تھے جو بڑھ چڑھ کر امریکہ مردہ باد کے نعرے لگاتے تھے، لیکن ساتھ ہی دوسرے استعمار یعنی روس کے حاشیہ بردار اور نمک خوار ہوتے تھے اور یہی کل کی کل انقلابیت تھی، مگر امام خمینیؒ نے تحریک انقلاب اور قیام انقلاب دونوں مرحلوں میں جس طرح امریکہ کو "شیطان بزرگ" کہا، اسی طرح روس کو بھی "شیطان کبیر" قرار دیا' "مرگ بر امریکہ" اور "مرگ بر شوروی" کے نعرے بہ یک وقت گونجے' جب روس نے افغانستان میں کھلی مداخلت اور جارحیت کا ارتکاب کیا، تو امام خمینیؒ نے کھل کر اور ڈٹ کر روس کے اس اقدام کی زبانی ہی نہیں عملی مخالفت اور مزاحمت کی اور لاکھوں پناہ گزینوں کو ایران میں پناہ دی حالانکہ علاقائی مصلحت اور امریکی مخالفت کا تقاضہ تھا کہ وہ امریکہ سے بگڑے ہیں تو روس سے بنا کر رکھیں، مگر یہ ان کے نظریہ سیاست وریاست کے منافی بات تھی کیوں کہ اسلامی نظریہ ریاست کسی مصلحت اور منافقت سے آلودہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے اصول مقدس' اٹل' شفاف اور واضح ہوتے ہیں۔ امام خمینیؒ کے اس نظریہ

سیاست وریاست کا رنگ آج بھی ایران کے اسلوب حکومت پر پوری طرح غالب ہے۔ عالم اسلام میں ایران وہ نمایاں ملک ہے جو یہ دعویٰ پوری دلیل کے ساتھ کرسکتا ہے کہ اس کی سیاسی پالیسیاں آزادانہ اوراس کے حکومتی فیصلے خود مختارانہ ہیں اُس کی تقدیر کا فیصلہ اسلامی جمہوری اور خود مختاری ومقتدر ملک کی شان ہے اور ایران اس شان کے ساتھ زندہ، مصروف عمل اور سوئے منزل محو سفر ہے۔

☆☆☆☆☆☆

New [illegible]
To..................
On..................